حضرت سید احمد شہیدؒ کی

تحریک اصلاح و جہاد

اور اس کے عمیق و وسیع اثرات

مؤرخ کبیر پروفیسر خلیق احمد نظامی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق محفوظ

طبع دوم

محرم الحرام ۱۴۳۸ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۶ء

سید احمد شہید اکیڈمیؒ

دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

نام کتاب	:	حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد اور اس کے عمیق و وسیع اثرات
مرتب	:	پروفیسر خلیق احمد نظامی
تعداد اشاعت	:	500
صفحات	:	47
قیمت	:	Rs. 30/-

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

حضرت سید احمد شہیدؒ کی ذات والا صفات پر ان کی شہادت کے بعد ہی سے بہت کچھ لکھا گیا، لکھنے والوں میں حضرت کے خلفاء و مسترشدین بھی ہیں اور بعد میں آنے والے مؤرخین اور اصحاب دعوت و عزیمت بھی ہیں، جن میں سرفہرست مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ذات گرامی ہے جن کی کتاب تاریخ بھی ہے اور دعوت بھی جس کو پڑھ کر ذہنوں میں امنگ اور دلوں میں ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

پیش نظر رسالہ معروف محقق و مؤرخ اور ادیب پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کا ہے، جو انہوں نے حضرت مولاناؒ کے ایماء پر رائے بریلی میں ہونے والے ایک سمینار کے لیے تیار کیا تھا، جب انہوں نے اپنا مقالہ سمینار میں اپنی مخصوص آواز و انداز میں پیش کیا تھا تو نہ جانے کتنی آنکھیں نم ہوئیں اور

اس کا خاص اثر محسوس کیا گیا، اس میں نظامی صاحب کی مؤرخانہ دیدہ وری اور ادیبانہ اسلوب کے ساتھ حضرت مولاناؒ کا سوز دل بھی شامل ہو گیا تھا، یہ رسالہ اسی وقت دار عرفات کی طرف سے شائع ہوا تھا اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ نے اس پر مقدمہ تحریر فرمایا تھا، اب عرصہ دراز کے بعد مرکز الامام أبی الحسن الندوی دار عرفات ہی کے ذیلی اشاعتی ادارہ سید احمد شہیدؒ اکیڈمی کی جانب سے اس کو شائع کیا جا رہا ہے، جو ادارہ ''حق بحقدار رسید'' کا مصداق ہے۔

اللہ تعالیٰ اس رسالہ کی افادیت کو عام کرے اور پروفیسر صاحب کے لیے اس کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مرکز الامام ابی الحسن الندوی دار عرفات

تکیہ کلاں، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ

مجاہد کبیر امیر المؤمنین حضرت سید احمد بن عرفان الشہید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اس برصغیر ہند و پاک کے لیے ایسی عظیم شخصیت گذری ہے جس نے اصلاحِ عقائد، تربیت باطنی، اعلائے کلمۃ الحق اور حج و جہاد جیسے اسلامی زندگی کے پر عزیمت کاموں کو نہ صرف قائم کیا بلکہ ان کو ان کے معیاری سطح پر جاری کیا اور انفرادی دائرہ سے نکل کر اجتماعی اور امت کے دائرہ میں پوری طرح نافذ کرنے کی کوشش کی، چنانچہ ان کے ذریعہ اصلاح عقائد اور تربیت باطنی کا جو عظیم کارنامہ انجام پایا، اس کے اثرات آج ان کی شہادت پر ڈیڑھ سو سال سے زیادہ گذر جانے پر بھی جگہ جگہ پائے جاتے ہیں، جو اپنی فلاح و اصلاح کا سلسلۂ نسب حضرت سید احمد شہیدؒ سے مربوط جانتے اور مانتے ہیں، اور یہ اس بات پر مستزاد ہے کہ ہزاروں افراد کے داخل اسلام ہونے اور لاکھوں افراد

کے تعلق باللہ، توبہ و انابت، ترقی روحانی، توفیق شب بیداری اور ذوقِ دعا و مناجات کے حصول کا شرف حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے منتسبین کی کوششوں کو حاصل رہا، مشرقی و مغربی بنگال اور نیپال تک ان کی نورانی کوششوں کے اثرات پہنچے اور وسط و شمالی ہند کے بیشتر روحانی و تعلیمی مراکز اپنا روحانی سلسلہ نسب حضرت سید احمد شہیدؒ کی تربیت و دعوت سے ملاتے ہیں۔

حج، خطرہ سے پُر ایسا رکن اسلام سمجھ لیا گیا تھا جو عدم استطاعت کے عذر کے تحت متروک ہونے لگا تھا، حضرت سید احمد شہیدؒ نے بانگ دہل عدم استطاعت کے عذر کو بے قیمت ثابت کیا، اور ایک مجمع کثیر (تقریباً سات سو افراد) کے ساتھ اس کو ادا کیا، جہاد جو مسلمانوں کی صرف کسی طاقتور حکومت کا ہی فریضہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا، اور کسی باہمت حکومت کے نہ ہونے کی صورت میں ہر ایک شخص نے اپنے کو اس سے مستثنیٰ سمجھ لیا تھا، حضرت سید احمد شہیدؒ نے نہ صرف اس کی طرف توجہ کی بلکہ اپنے حلقۂ منتسبین کو اور جن افراد کو اس کے لیے آمادہ کر سکے، باقاعدہ اس کی تیاری کرائی اور پھر اس عظیم اسلامی عمل کو، جس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ "جو اس طرح دنیا سے گیا کہ نہ اس نے جہاد کیا نہ اس کو جہاد میں شرکت کی خواہش ہوئی، وہ جاہلیت کی موت مرا"، صرف انجام نہیں دیا بلکہ اس کو "کتاب و سنت" سے ماخوذ طریقہ کے مطابق جاری کیا، اس میں "کتاب سنت" کے مقررہ طریقہ سے انجام دینے میں بعض بڑے دنیاوی فوائد سے محروم ہونے کی صورت پیش

آئی تو اس کو برداشت کیا لیکن اس عظیم اسلامی عمل کو اس کے جادۂ حق سے ہٹنے نہیں دیا۔

آج نہ معلوم کتنی متنوع دینی و اسلامی برکات ہیں جو برصغیر کی ملت اسلامیہ کو اسی تحریک اور جد و جہد کے نتیجہ میں حاصل ہیں، جن کا ہم کو پورا احساس نہیں ہوتا، ضرورت یہ ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی دعوتی و اصلاحی کوششوں کو سمجھا جائے اور کے جو اجزا موجودہ ''امت اسلامیۂ ہند'' کے حالات کے مطابق ہوں، ان کو اختیار کیا جائے، اس کے لیے حضرت سید احمد شہیدؒ کی حیات اور کارناموں کو جاننے کی ضرورت ہے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کی حیات اور کارناموں پر اردو میں کئی مفید اور عظیم کتب شائع ہو چکی ہیں، ان میں سب سے وسیع، تحقیقی و مفصل کتاب مولانا غلام رسول مہرؒ کی ہے، اور دوسری مفصل اور مؤثر کتاب مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کی ہے، ان کتابوں سے حضرت سید احمد شہیدؒ کے کارناموں اور حالات کو جاننے کے ساتھ ان کے فکر و عمل کے مزاج و روح کو سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

سال رواں ۱۹۹۰ء ماہ نومبر میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کی طرف سے مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ تعلیمی سوسائٹی کے انتظام و ضیافت میں حضرت سید احمد شہیدؒ ہی کے وطن رائے بریلی میں (جہاں ان کی تحریک اصلاح و جہاد کی تیاری ہوئی تھی) ''حمد و مناجات'' کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد ہوا، جس

میں ملک کے طول و عرض سے فضلاء، اہل علم نے شرکت کی اور حجاز و نجد سے بھی چند ادباء و اہل علم شرکت کے لیے تشریف لائے، ان شرکاء میں برصغیر کے مستند و عظیم مؤرخ و محقق پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ بھی تھے، پروفیسر صاحب موصوف کو اسلامی ہند کی تاریخ اور اس موضوع پر تحقیق اور بحث و نظر کا جو مقام حاصل ہے وہ کسی پڑھے لکھے شخص سے مخفی نہیں، اس کے ساتھ ساتھ پروفیسر صاحب کو ہندوستان کے عظیم مصلحوں اور مربیوں سے عقیدت و محبت کا تعلق بھی ہے، اور وہ مشہور مربی روحانی و امام طریقت سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء سے انتساب رکھتے ہیں۔

پروفیسر صاحب کو مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے ایک خاص ربط و تعلق حاصل ہے، اس کی بنا پر مولاناؒ نے پروفیسر صاحب سے فرمائش کی تھی کہ سیمینار کا موضوع ''حمد و مناجات'' ہے اور وہ موضوع اور جگہ کے لحاظ سے حضرت سید احمد شہیدؒ کے ذوق دینی اور عمل سے خصوصی تعلق رکھتا ہے، پروفیسر صاحب برصغیر کی دینی شخصیتوں کی تاریخ سے خصوصی دل چسپی رکھتے ہیں، اس لیے وہ اس موقع پر اپنے قیمتی مقالہ کا موضوع انہی کو بنائیں، پروفیسر صاحب کی بھی ایک عرصہ سے ''حضرت سید احمد شہیدؒ کے کام و مقام'' کو موضوع بنانے کی نیت تھی، لہٰذا انہوں نے بخوشی اس فرمائش کو نہ صرف قبول کیا بلکہ ایک وقیع مقالہ سپرد قلم کیا جس میں علمی متانت، وسعت مطالعہ، تاریخی شواہد اور تاریخ و ادب کی شگفتگی اور ان کا انداز نگارش پوری طرح نمایاں

ہے، برجستہ و برموقع اشعار اور کلام اقبال نے اس کی تاثیر و حلاوت میں مزید اضافہ کیا ہے، جس کی بنا پر وہ محض ایک علمی و تاریخی مقالہ نہیں ہے، بلکہ ادب اسلامی کا بھی ایک وقیع تحفہ ہے، موضوع کی اہمیت اور مقالہ کی وقعت و افادیت کے پیش نظر یہ مناسب معلوم ہوا کہ اس کو علاحدہ سے ایک علمی رسالہ کے طور پر شائع کیا جائے، اس ذمہ داری کی انجام دہی کے لیے، حضرت سید احمد شہیدؒ کے وطن کے ہی علمی ادارہ ''دارعرفات'' نے امادگی ظاہر کی، چانچہ یہ رسالہ ''دارعرفات'' کی طرف سے اور ''رابطہ ادب اسلامی'' کے تعاون سے شائع کیا جارہا ہے۔

اس طرح دونوں متعلق اداروں کی شرکت ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ اس عمل کو مفید بنائے اور قبول فرمائے۔ آمین!

محمد رابع حسنی ندوی

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ - ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح وجہاد اور اس کے عمیق ووسیع اثرات

حمد وصلوٰۃ کے بعد اس حقیقت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ایک مدت سے راقم کو رائے بریلی حاضری کی تمنا تھی کہ اس فضا میں کچھ دیر سانس لینے کی سعادت میسر آئے جہاں حکمت ولی اللہی اور سوز علم اللہی نے مل کر نیا پیکر اختیار کیا تھا، اور جہاں سرفروشی اور جانسپاری کی تاریخ لکھی گئی تھی، رائے بریلی کو قدرت نے امتیازی خصوصیات سے نوازا ہے، یہ صدیوں سے علم و ارشاد کا گہوارہ، شریعت وسنت نبوی کا مرکز، اور دعوت وعزیمت کا منبع ہے، جس فیض کی ابتدا شاہ علم اللہؒ کی نوائے سحری، سید احمد شہیدؒ کے ذوق شہادت اور مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کے تبحر علمی سے ہوئی تھی، وہ آج مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ذات گرامی میں ایک نئی قوت بن کر نمودار ہوا ہے ۔

تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

زمانے نے کروٹ بدلی ہے اور جہاد بالسیف کی جگہ جہاد بالقلم نے لے لی ہے، اور حضرت علی میاںؒ نے اپنی زبان اور قلم سے جس طرح اسلام کی خدمت کی ہے اس سے تاریخ دعوت وعزیمت میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی قیادت میں حکمت ولی اللہی ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے۔

آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
اُن کی ذات میں عشق، علم اور عمل تینوں کا اجتماع ہے۔

ضمیر امتاں رامی کند پاک
کلیمے یا حکیمے نے نوازے

سید احمد شہیدؒ کے وطن میں حاضری ایک سعادت ہے، حیران ہوں کہ "سرِ خاکِ شہیدان" کیا نثار کروں کہ میرا دامن علم وعمل کی دولت سے خالی ہے ع

مگر میں نذر کو ایک آبگینہ لایا ہوں

یہ آبگینہ میرا دل ہے جو سید احمد شہیدؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور احیاء ملی کے لیے شبانہ روز کوششوں کے احسان کی گراں باری آج بھی محسوس کر رہا ہے

سوز دل، اشک رواں، آہ سحر، نالۂ شب
این ہمہ از اثرِ لطف شمامی بینم!

اسلام کی دینی فکر اور سماجی زندگی کا مرکزی نقطہ "توحید" ہے، بقول اقبال

یہی دین محکم، یہی فتح باب
کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

انفرادی زندگی ہو یا حیات اجتماعی، جب یہ عقیدہ قلوب انسانی میں جاگزیں ہوکر احساس وشعور پر اثر انداز ہوتا ہے تو طلسم رنگ و بو ٹوٹ جاتا ہے اور انسانی زندگی میں توانائی کی نئی لہر، عزائم میں نیا ولولہ اور نظر میں نئی تابندگی پیدا ہو جاتی ہے، مالک حقیقی کے سامنے اس کا ایک سجدہ جو اس کو ہزاروں سجدوں سے نجات دلاتا ہے، ملت کے لیے زندگی کا پیام ہوتا ہے، وہ رب کائنات سے اپنا رشتہ جوڑ کر تخلیق کائنات کا مقصد پورا کرتا ہے، اسلامی سوسائٹی میں توحید کی اس زندہ حقیقت کا احساس جب بھی کمزور پڑا، تو وہی کیفیت ہوگئی کہ ع

تھم گئی جس دم تڑپ، سیماب سیم خام ہے

سید احمد شہیدؒ نے مسلمانوں کی تاریخ کے ایک دور ابتلاء وانتشار میں "توحید" کا یہ تصور اجاگر کرنے میں اپنی زندگی قربان کی تھی اور بتایا تھا کہ ؎

اے لاالٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ، کردارِ قاہرانہ

خود ان کی زندگی "گفتار دلبرانہ" اور "کردار قاہرانہ" کی جیتی جاگتی تصویر تھی، وہ کل ۴۶ رسال (۱۸۳۱ء-۱۷۸۶ء) اس جہاں فانی میں رہے، اس مختصر

مدت میں احیاء ملت کے لیے جو جد و جہد و سعی کی وہ تاریخ بھلا نہیں سکتی، ان کی زندگی کا ۳۲ واں سال تھا جب انہوں نے اپنی تحریک کا آغاز کیا، اور اپنی ''گفتار دلبرانہ'' سے دینی احساس و شعور کو بیدار کرنے اور اسلام کے اس نظام حیات کو سمجھانے میں جو صرف عقیدۂ ''توحید'' کے گرد نشو و نما پا سکتا ہے، چار سال شب و روز جد و جہد کرتے رہے، پھر ۱۸۲۱ء میں میدان عمل میں سربکف داخل ہوئے، اور ''کردار قاہرانہ'' کا جیتا جاگتا نمونہ بن گئے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا آفتاب علم و ارشاد غروب ہوا چاہتا تھا کہ ''سادات قطبی ساکن رائے بریلی کا ایک بزرگ زادہ'' ان کی خدمت میں پہنچا، ان کو بوڑھی ہڈیاں جس غم میں پگھلی جاتی تھیں، اس کا درماں پیدا ہو گیا، ان کے فتوی کو عملی جامہ پہنانے کے اسباب مہیا ہو گئے اور انہوں نے محسوس کیا ع

آمد آں یار کہ ما می خواستیم

اس احساس نے کہ حکمتِ ولی اللہی کو کردار و عمل میں منتقل کرنے والا عالم وجود میں آ گیا، ان کی شمع زندگی میں نئی روشنی پیدا کر دی، اپنی مجلسوں میں ان کی ''قوی نسبت مجددی'' دوسروں کو متاثر کرنے کی غیر معمولی قوت، اور بے حد ''ذکی القلب'' ہونے کا ذکر بڑے جذبے سے کیا (ملفوظات ص: ۵-۲۷)، ادھر خاندان ولی اللہی کی عظیم المرتبت شخصیتیں جنہوں نے ''حضرات ثلاثہ'' کی صحبت میں تربیت پائی تھی، ان کے جھنڈے کے نیچے اس

طرح جمع ہو گئیں گویا ان کے انتظار میں چشم براہ تھیں ۔

تو نخل خوش ثمر کیستی؟ کہ باغ و چمن
ہمہ زخویش بریدند و در تو پیوستند

ان حضرات کا سید احمد شہیدؒ کے دامن تربیت سے وابستہ ہونا، اعلان تھا اس بات کا کہ اب حکمت ولی اللہی کا نیا دور ان کی قیادت میں شروع ہوگا، شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے مولانا محمد یعقوبؒ کا بیان ہے:

''شاہ عبدالعزیزؒ کی توجہ کی تاثیر مثل ہلکے سے مینھ کے ہوتی ہے جس کی چھوٹی چھوٹی بوندیں ہوتی ہیں، لیکن سید صاحبؒ کی تاثیر مثل لوہاروں کی پھکنی کے اثر کرتی ہے جو فوارہ کی طرح قلب پر پڑتی ہے''۔ (سوانح احمدی۔ جعفر تھانیسری: ص ۴۱/)

یہ فرق تھا ایک معلم اور ایک مجاہد کے انداز فکر و عمل کا، تجدید و تدوین علوم کا کام ختم ہو چکا تھا، جہاد و عمل کا میدان کھل گیا تھا، مسند درس کی جگہ اب میدان کارزار نے لے لی تھی، اس کے مرد میداں سید احمد شہید تھے ۔

بدن اس تازہ جہاں کا ہے اس کی کف خاک
روح اس تازہ جہاں کی ہے اس کی تکبیر

سید احمد شہیدؒ نے جس زمین میں آنکھ کھولی اور جس روح پرور فضا میں تربیت پائی تھی وہ پھلت کی طرح ''قریۃ الصالحین'' تھا، یہاں شاہ علم اللہؒ نے

اتباع سنت کی وہ عظیم الشان روایت قائم کی تھی، جس سے اورنگ زیب عالمگیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا، شاہ غلام علی دہلویؒ کے ملفوظات ''دُرُّ المعارف'' میں ہے کہ اورنگ زیب نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر علماء نے یہ بتائی کہ سنت نبوی کا کوئی زبردست اتباع کرنے والا دنیا فانی سے رخصت ہوا، اسی رات شاہ علم اللہؒ نے وصال فرمایا۔

شاہ علم اللہؒ نے جب رائے بریلی میں اپنا رخت سفر کھولا اور قیام کا فیصلہ کیا تو یہاں کی دینی زندگی میں حرارت پیدا ہوگئی اور یہاں کے بام و در تکبیر و اذان کی صداؤں سے گونج اٹھے، رفتہ رفتہ رائے بریلی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ دونوں کی علمی، دینی اور اصلاحی تحریکوں کا مرجع بن گیا، اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ شائد ع

چشم مہ و پر دیں ہے اسی خاک سے روشن

حضرت مجدد صاحبؒ کے خلیفہ حضرت آدم بنوریؒ سے حضرت شاہ علم اللہؒ نے بیعت کی، اور ان سے خلافت اس بشارت کے ساتھ پائی کہ تمہاری حیثیت ستاروں میں آفتاب کی ہوگی، سید احمد شہیدؒ کے نانا شاہ ابو سعید حسنیؒ نے شاہ ولی اللہؒ سے کسب فیض کیا، ان کے متعلق شاہ ولی اللہؒ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''ایں راہ کہ میروند ہما طریق مستقیم است''

خطوط سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ خاندان ولی اللہی اور علم اللہی میں گہرا

ارتباط اور تعلق تھا، دونوں گھرانوں کی خواتین کے بھی آپس میں مراسم تھے، شاہ ابوسعیدؒ نے مالی مشکلات میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مدد کی تھی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"چنانچہ ایں نیاز مند را از فکر معاش نجات بخشید ند، او جل علا از جمیع حاجات از دین و دنیا ذات سامی را خلاص و نجات عنایت فرماید"۔

شاہ ابوسعیدؒ، شاہ اہل اللہؒ، شاہ ابوالیث حسنیؒ، شاہ محمد عاشقؒ، شاہ عبدالعزیزؒ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ مدتوں جاری رہا، چنانچہ جس سرزمین میں سید احمد شہیدؒ نے آنکھ کھولی، وہاں احیاء ملت کی تحریکوں کا دل دھڑک رہا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ اشارہ کیا ہے کہ اگر موقع و محل کا اقتضا ہوتا تو میں جنگ کر کے عملاً اصلاح کرنے کی قابلیت اور صلاحیت رکھتا تھا (جلد اول۔ص:۱۰۱) حالات کا یہ تقاضا نہ تھا اس لیے وہ خاموش رہے، گو "فکُّ کُلِّ نِظَام" کی صدائیں ان کی مسند درس سے بلند ہوتی رہیں (فیوض الحرمین) کچھ عرصہ بعد جب حالات نے اپنے مجاہد کو پکارا تو سید احمد شہیدؒ نے لبیک کہا اور ان ہی کے گرد خاندان ولی اللّٰہی کے بہترین دماغ جمع ہو گئے، حقیقت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کی دینی اور اصلاحی تحریک سید احمد شہیدؒ کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچی۔

عمرہا درکعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تازبزم عشق یک دانائے راز آید بروں

سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا مرکز و محور یہ اعتقاد تھا کہ توحید خالص کی حقیقی روح اگر مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں واپس آجائے تو پھر ان کی زندگی کا نقشہ بدل جائے، ہندوستان کی تاریخ میں توحید کی سربلندی کے لیے عملی میدان میں جدوجہد کی اس سے بڑھ کر کوئی دوسرے تحریک منصۂ شہود پر نہیں آئی۔

اس بنیادی مقصد کے حصول کے لیے سید احمد شہیدؒ نے تین چیزوں پر زور دیا: (۱) احیاء سنت (۲) اماتت بدعت (۳) تلقین جہاد

صحیح اسلامی روح بیدار کرنے کے لیے ضروری تھا کہ بدعات کا خاتمہ کیا جائے اور زندگی کے ہر شعبہ میں سنت نبوی کے اتباع کا جذبہ ابھارا جائے، عقائد کی اصلاح اور سماجی خرابیوں کا ازالہ، احیاء ملت کے لیے از بس ضروری تھا پھر سیاسی اقتدار کو غیر ملکی ہاتھوں سے نکالنے کے لیے جہاد کی روح پھونکنا وقت کا سب سے بڑا تقاضا تھا۔

اسلام کی دینی فکر میں جہاد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، احیاء ملت کے لیے یہ نسخہ اللہ کے صرف وہ بندے استعمال کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنے لیے جینا چھوڑ دیا ہو اور جن کے زندگی اور موت اپنے رب کے لیے ہو، عزم جہاد کرنے والے کو پہلے اپنے نفس سے جہاد پر کمربستہ ہونا پڑتا ہے، خواجہ محمد

معصومؒ نے شہزادہ اورنگ زیب کے نام ایک خط میں جہاد کی اس اہمیت پر بڑے دلنشیں انداز میں گفتگو کی ہے، ہندوستان میں اللہ کی راہ میں جہاد کی تلقین اور اس پر عمل کی سعادت سید احمد شہیدؒ کے لیے مقدر تھی، انہوں نے اس تصور کو اس طرح مسلمانوں کے ذہن و دل پر نقش کر دیا کہ مدتوں تک انگریز مدبرین اور مصنفین کی کوششیں اس تصور کو ذہن سے مٹانے میں صرف ہوئیں اور ان ہی کے زیر اثر بعض علماء اور دانشوروں نے جہاد کو غیر اسلامی بتانے میں اپنی علمی صلاحتیں استعمال کیں۔

اقبالؔ نے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں ایک مشیر کی زبان سے کہلوایا ہے۔

کس کی نومیدی پہ حجت ہے یہ فرمان جدید
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلماں پر حرام

فری لینڈ ابٹ (Freeland Abbot) نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ قرون وسطیٰ کے وہ حالات جو جہاد کو کامیاب بنانے کا باعث تھے، سید احمد شہیدؒ کے زمانہ میں نہیں رہے تھے، گویا یہ بے وقت کی صدا تھی جو انہوں نے بلند کی (The Muslim World, July 1962) لیکن یہ خیال جہاد کی حقیقی نوعیت سے ناواقفیت پر مبنی ہے، اور اسی انداز فکر کا رجحان ہے جو مستشرقین نے عموماً سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے۔

برطانوی اقتدار کی طرف سے تصور جہاد کو مٹانے کی کوششیں ایک طرف پورے زور و شور سے جاری تھیں، دوسری طرف منشی سید عبد الرزاق

صاحب کلامی کی "فتوح الشام" (واقدی) کا منظوم ترجمہ "صمصام الاسلام" کے نام لکھ کر اس تصور کو زندہ رکھنے کی جہد وسعی جاری تھی، سید احمد شہیدؒ کے بعد تصور جہاد پر مختلف زاویہ ہائے نظر سے جو لکھا گیا ہے، اس کا تجربہ بعض تاریخی حقائق کا پس منظر سمجھنے کے لیے از بس ضروری ہے، روح اسلامی کو مجروح کرنے کے لیے جہاد کے تصور کو مسلمانوں کے مذہبی احساس وشعور سے نکالا گیا تھا۔

اسلامی تاریخ کے وسیع پس منظر میں دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ عشق، علم اور عمل- ان تینوں قوتوں نے اکثر مل کر اور کبھی کبھی علاحدہ علاحدہ مسلمانوں کی حیات اجتماعی کو توانائی بخشی ہے، اور ان ہی کے ذریعہ اسلامی فکر و تمدن کا قافلہ آگے بڑھا ہے، اور اثر ونفوذ کی قوتیں بروئے کار آئی ہیں، ایسا بھی ہوا کہ کبھی حالات کے تقاضے نے کسی مخصوص سمت میں ایک قوت کا رجحان زیادہ کر دیا لیکن مجموعی طور پر یہ صلاحیتیں اسلامی تاریخ میں مختلف عنوان سے سرگرم عمل رہیں، ہندوستان کی تاریخ پر اس زاویہ سے نظر ڈالی جائے تو پانچ شخصیتوں کے اثرات دور رس نتائج کے حامل نظر آئیں گے- خواجہ معین الدین حسن سجزی اجمیریؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ ان کے کارناموں کی حقیقت اور ان کے مساعی کا رخ سمجھے بغیر ہندوستان میں اسلام کی تاریخ کا جائزہ ممکن نہیں۔

خواجہ اجمیریؒ اور حضرت محبوب الٰہیؒ نے ''عشق'' کو رہبر بنایا اور شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے الفاظ میں ''دل کی دکانیں'' لگادیں، جہاں جذب وشوق، سوز ومستی کا سودا ملتا تھا، خود ان کی زندگیاں اس حقیقت کی ترجمان بن گئیں ۔

عشق دم جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

''صراط مستقیم'' کے باب اول میں جس ''تاثیر حب عشق'' کا ذکر ہے، یہ وہی عشق حقیقی ہے جس نے ان بزرگوں کے دل کو گرمایا تھا، اس کے ذریعہ انہوں نے اسلامی اثرات کا دائرہ وسیع کیا اور اسلام کی ''وحدت خیز'' قوت نے ہندوستان کی سماجی زندگی میں ایک انقلاب برپا کردیا، راقم الحروف نے Encyclopedia of Islam میں ہندوستان میں اسلام پر اپنے مضمون میں اس کو دور تبلیغ واشاعت اور اثر ونفوذ سے تعبیر کیا ہے، پھر ایک ایسا دور آیا جب خود اسلامی معاشرہ کی اصلاح، وقت کا سب سے بڑا تقاضا بن کر سامنے آئی، اور سرمایۂ ملت کی نگہبانی کے احساس نے دلوں کو بے چین کردیا، اب عشق سے زیادہ علم کی ضرورت تھی تاکہ علم کے ذریعہ آنے والی گمراہیوں کا سد باب کیا جاسکے، مجدد صاحبؒ نے سیاسی اقتدار کے پورے عروج کے زمانہ میں ان غلط نظریات کی ترویج کو سختی سے روکا جو دربار سے نکل کر عوام کی

زندگی پر اثر انداز ہو رہے تھے، انہوں نے مذہبی فکر کو احداث و بدعات سے پاک کیا، عقائد کا فساد جن فکری گمراہیوں کے سہارے بڑھ رہا تھا، اس پر بند لگائے، پھر شاہ ولی اللہؒ نے سیاسی انحطاط اور فکری انتشار کے زمانہ میں مذہبی فکر کی تشکیل جدید کی طرف توجہ کی، اور جو نئی قوتیں اور نئے سماجی اور عمرانی نظریات ابھی کارگہ فکر میں تھے، ان سے نبرد آزما ہونے کا سامان مہیا کر دیا۔ حجۃ اللہ البالغہ کا ایک ایک صفحہ پکارتا ہے ۔

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

پھر سید احمد شہیدؒ نے جب اپنی تحریک کا آغاز کیا تو حالات عمل اور جہاد کا مطالبہ کر رہے تھے، مجدد صاحبؒ نے مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے زمانہ میں کام کیا تھا، شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے دور انحطاط میں نئے نظام کی تصویر دکھائی تھی، لیکن عملی قدم نہیں اٹھایا تھا، سید احمد شہیدؒ جب میدان میں داخل ہوئے تو حالات کا نقشہ بدلا ہوا تھا، مسلمانوں کا سیاسی اقتدار تاریخ کے دھندلکوں میں کہیں غائب ہو چکا تھا، انگریز پورے سامراجی عزائم کے ساتھ اپنے اقتدار کو جمانے میں مصروف تھے، اسلامی شعائر پر اضمحلال کی جو کیفیت طاری تھی اس کا اندازہ ''صراط مستقیم'' کے باب دوم کے مباحث سے لگایا جا سکتا ہے، عقیدہ توحید جس پر اسلامی سوسائٹی کے وجود کا انحصار تھا، غیر

اسلامی تصورات میں الجھ کر رہ گیا تھا، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ؎

تمدن، تصوف، شریعت کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

مسئلہ صرف سیاسی اقتدار ہی کی واپسی کا نہیں تھا، بلکہ احداث وبدعات میں کھوئی ہوئی امت کی بازیافت کا تھا، اور اس کے لیے زندگی کے ہر شعبہ میں مجاہدانہ جہد وسعی درکار تھی۔

سیاسی اقتدار نے دم توڑا تو معاشی حالات بھی بدل گئے، مسلمانوں کی زندگی سوز "لا الا" سے محروم ہوئی تو خانقاہیں سیرت سازی کے کام سے ناآشنا ہوگئیں، اور مدرسے اپنے مقصد ومنہاج کو بھول گئے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ بقول اقبالؔ ؎

نہادِ زندگی میں ابتدا لا انتہا اِلّا
پیامِ موت ہے جب لا ہو اِلّا سے بیگانہ
وہ ملت روح جس کی لا سے بڑھ نہیں سکتی
یقیں جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانہ

تاریخ عالم گواہ ہے کہ جب بھی تاریخ ساز شخصیتوں نے اپنے کام کا آغاز کیا ہے، اپنے پیکر خاکی میں عزم اور ہمت کے سوتے ابلتے ہوئے محسوس

کئے ہیں، ان کے دلوں میں اس اعتقاد اور یقین نے ایک جوش اور ولولہ پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے اس کام کی انجام دہی پر مامور ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ تفہیمات میں لکھتے ہیں:

''بہ سرم درداند کہ ایں حقیقت بمردم برساں - امروز وقت وقت تست، وزماں زماں تو - وائے برکسے کہ زیر لوائے تو نباشد''

حضرت سید احمد شہیدؒ کے دل میں بھی یہ خیال ایک قوت عمل بن گیا تھا کہ قدرت ان سے خاص کام لینا چاہتی ہے، اور وہ اس کی انجام دہی پر متعین ہیں، ایک خط میں لکھتے ہیں:

''فقیر دریں باب باشاراتِ غیبی مامور است و بہ بشارتِ لاریبی مُبشرؔ، ہرگز ہرگز شعبۂ وسوسۂ شیطانی وشائبہ ہوائے نفسانی بایں الہام رحمانی ممتزج نیست''۔

(خط-۳، ص-۳۰، برٹش میوزیم مخطوطہ)

اس وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فکر اور حکمت کے تمام اجزائے ترکیبی رائے بریلی میں جمع تھے اور سید احمد شہیدؒ ان کا علمی پیکر بن کر تاریخ کو نیا رخ دے رہے تھے، مولانا ابوالکلام آزادؒ کا تو یہ خیال تھا کہ اگر شاہ ولی اللہؒ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو ان کو بھی حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ (خلیفہ و رفیق تربیت یافتہ) سید احمد شہیدؒ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونا پڑتا، لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مقام ہر رنگ میں کس درجہ جامع و

کامل ہے؟ بایں ہمہ یہاں جو کچھ ہوا، تجدید و تدوین علوم و معارف اور تعلیم و تربیت اصحاب استعداد تک محدود تھا، اس سے آگے نہ بڑھ سکا، فعلاً عمل و نفاذ اور ظہور و شیوع کا پورا کام تو کسی دوسرے ہی مردِ میداں کا منتظر تھا، اور معلوم ہے کہ توفیق الٰہی نے یہ معاملہ صرف حضرت علامہ و مجدد شہید رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کر دیا تھا، خود حضرت شاہ صاحبؒ کا بھی اس میں حصہ نہ تھا..... اگر خود شاہ صاحب بھی اس وقت ہوتے تو ان ہی کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے"۔ (تذکرہ۔ص:۲۷۰)

پھر اصحاب ثلاثہ یعنی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا آزادؒ لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے درس و تدریس کی بادشاہت سمرقند و بخارا اور مصر و شام تک پھیلی ہوئی تھی، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ علم و عمل کے آفتاب تھے، خاندان سے باہر اگر ان کے تربیت یافتوں کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں ان کا فیضانِ علم کام نہ کر رہا ہو، لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا، وہ گویا ایک خاص پہناوا تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لیے تھا اور ایک ہی پر چست آیا، دنیا اس کی خلعت، عظمت اور تشریف قبول کاندھے پر ڈالے منتظر کھڑی تھی"۔

مولانا آزاد کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو معاملہ کچھ اور آگے ہی نظر آئے گا، مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں سیکڑوں خاندان اور بے شمار حکمراں اقتدار کے حامل بنے لیکن وہ گوشہ جہاں سید احمد شہیدؒ نے اپنی تحریک کو منظم کرنے کے لیے اسلام کا سیاسی نظام نافذ کیا تھا، وہ اسلام کا حقیقی قدم تھا جو اس سرزمین پر رکھا گیا، ہندوستان کے کسی اور حصے میں اور تاریخ کے کسی اور دور میں قرون اولیٰ کا نظام حیات اس طرح ایک زندہ حقیقت کے طور پر چشم عالم نے مشاہدہ نہیں کیا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ارض الہند کا یہ تھوڑا سا ٹکڑا، زمان و مکان کی ساری بندشوں کو توڑ کر عہد صحابہ میں جا ملا ہے۔

سید احمد شہیدؒ نے سرحدی علاقہ میں جو حکومت کا نظام قائم کیا تھا اس کا مقصد اسلامی نظامِ حیات کا ایک نقشہ پیش کرنا تھا، انہوں نے عمل کیا تھا، امام ابن تیمیہؒ کی اس ہدایت پر کہ بغیر امام مسلمانوں کی زندگی، غیر ملکی تسلط کے زمانہ میں منظم نہیں ہو سکتی، ایک خط میں لکھتے ہیں:

"قیام دین بملک است، و احکام دینیہ کہ تعلق بحکومت دارند، بوقت نبودن مملکت صاف از دست می روند"۔

ان کی نظر آفاقی تھی، ان کا مطمح نظر یہ تھا:

"ایں قدر آرزو دارم کہ در اکثر افراد بنی آدم بلکہ جمیع اقطار عالم احکام حضرت رب العالمین کہ مسمیٰ بشرع متین است بلا منازعت احدے نافذ گردد"۔

پہلے دعوت اور اس کے بعد عزیمت اور عمل سنت نبوی ﷺ ہے، جب کسی تحریک کا آغاز ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کی فکری اساس مضبوط کی جاتی ہے، رسول اکرم ﷺ نے مکہ معظمہ میں آیات مکی کے ذریعہ تمام انسانیت کو مخاطب کر کے اپنا پیغام پہنچا دیا، پھر مدینہ منورہ میں ان اصولوں کو زندہ حقیقت بنا کر پیش کیا اور خطاب مؤمنین سے کیا کہ ان پر اس نظام کو چلانے کی ذمہ داری تھی۔

سید احمد شہیدؒ نے اپنی زندگی کے کئی سال ذہنی فضا کے تیار کرنے میں صرف کئے اور پھر جہاد کی تیاری میں لگ گئے، اور بالآخر اللہ کے اس فرمانبردار بندے نے اپنی زندگی اس کی راہ میں اس طرح قربان کردی کہ فضائیں تک پکار اٹھیں ۔

ظہور عشق حقیقت طراز تھا ورنہ
یہ دل کشی کہیں دار و رسن میں آئی ہے

سید احمد شہیدؒ نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی حیات اجتماعی کو سب سے بڑا صدمہ بیرونی اقتدار سے پہنچا ہے چنانچہ انہوں نے ملک کو غیر ملکی تسلط سے نجات دلانا اپنے جہاد کے مقاصد میں شامل کیا، گوالیار میں ہندو راؤ اور چترال کے شاہ سلیمان کے نام ان کے خطوط، ان کے مقاصد کے بہترین آئینہ دار ہیں، ہندو راؤ کو لکھتے ہیں:

"بر رائے سامی روشن و مبرہن است کہ بیگانہ نگاں بعید

الوطن ملوک زمیں وزمن گردیدہ وتاجران متاع فروش بپایہ سلطنت رسیدہ، امارت امرائے کبار وریاست روسائے عالی مقدار برباد نمودہ اندوعزت واعتبار ایشاں بالکل ربودہ، چوں اہلِ ریاست و سیاست درزاویہ خمول نشستہ اند، ناچار چندے اہل فقر ومسکنت کمر ہمت بستہ ایں جماعت ضعفاء محض بنابر خدمت دین رب العالمین برجستہ"۔

ہندو راجہ سے یہ کہنا کہ "دین رب العالمین" کی خدمت اک جذبہ میدان میں لایا ہے، بے حد اہم ہے، غلام حیدر خاں کے نام مکتوب میں بھی انہوں نے اس "جور وظلم" کا ذکر کیا ہے جو انگریزوں نے ملک پر ڈھائے تھے، ان کی آواز میں اللہ نے غضب کی تاثیر دی تھی، جس کو سن کر نہ صرف دل سینوں میں تڑپنے لگتے تھے بلکہ سر جسم پر بوجھ بن جاتا تھا اور ذوق شہادت میں لب پر دعا آجاتی تھی ۔

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب
یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

ہندوستان کی تاریخ میں جان قربان کرنے کے لیے ایسا جذبہ پھر کبھی نظر نہیں آیا، جب در و دیوار سے یہ صدائیں آتی تھیں ۔

جو داخل سپاہِ خدا میں ہوا
فِدا جی سے راہِ خدا میں ہوا

حبیب حبیب خداوند ہے
خداوند اس سے رضامند ہے
امامِ زمانہ کی یاری کرو !
خدا کے لیے جاں نثاری کرو

مائیں لوریوں میں اپنے بچوں کے لیے شہادت کی دعائیں مانگنے لگیں، انسانی جذبات کا یہ تلاطم اسلامی ہند کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا، امروہہ کے شاہ محمد امین غازی حضرت شہیدؒ کے زمرۂ مجاہدین میں شامل تھے، ایک مثنوی میں اپنے اکلوتے بیٹے روح الامیں کے لیے دعا کرتے ہیں:

چناں خواہم آں پاک پروردگار
کہ روح الامیں راکنی بختیار
مجاہد چنانش کن اندر غزا
کز و تارسد بر نصاریٰ سزا

ان کی ''مثنوی فیروز شاہ'' کا ایک نادر قلمی نسخہ خاکسار کے ذخیرۂ کتب میں ہے، جس سے ان کے جذبات و احساسات کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں اب تک مسلمان حکومتوں کے طرف سے دو جنگیں لڑی جا چکی تھیں۔ جنگ پلاسی اور جنگ سرانگاپٹم۔ یہ سید احمد شہیدؒ کی منصۂ شہود پر آنے سے پہلے لڑی گئی تھیں، جنگ بالاکوٹ ہندوستان کی تاریخ میں پہلی عوامی جنگ تھی جو آزادی، حریت اور اخلاقی قدروں کے احیاء کے لیے مسلم

عوام نے سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں لڑی، مؤمن نے جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے دامن تربیت سے وابستہ تھے، مثنوی جہادیہ میں لکھا تھا۔

ایں عیسویاں بہ لب رساندند — جان من و جان آفرینش
مگزار کہ پائمال گردیم! — زاں سیم سان آفرینش
تاچند بہ خواب ناز باشی — فارغ زفغاں آفرینش!
مؤمن شدہ ہم زبان عرفی — از بہر آماں آفرینش

برخیز کہ شور کفر برخاست
ایے فتنہ نشان آفرینش

یہی انداز مولانا محمد امین غازی کا تھا، لکھتے ہیں:

زبد دینی حاکمان زمن
نشان حیا نیست در مرد و زن
زبد دینی حاکمان زمن
حیا روئے پوشید و رفت از جہاں
بجاں آمدیم از تعدّی شاں
بسے الاماں المدد الاماں

مولانا خرم علی بلہوری نے قصیدہ جہادیہ لکھا جو اتنا پُر تاثیر تھا کہ مجاہدین لڑائی کے وقت اس کو پڑھتے تھے اور بے خود ہو جاتے تھے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ نے کلکتہ سے لے کر بالاکوٹ تک جہاد کا جذبہ

پیدا کر دیا تھا، ان کی نگاہ کی یہ تاثیر تھی کہ جس کی طرف دیکھ لیا وہ دار و رسن کی تمنا میں اپنے روز و شب بسر کرنے لگا، اسلامی ہند کی تاریخ میں کوئی اسلامی تحریک ایسی نمودار نہیں ہوئی تھی جس کا دائرۂ اثر و نفوذ اتنا وسیع ہو اور جس نے ہر چھوٹے بڑے کے دل کو جذبۂ جہاد سے گرمایا ہو، سرسید کا بیان ہے:

"شہر کلکتہ میں جب تک آپ نے تشریف رکھی، شراب مطلق نہ بکنے پائی، اور کلال خانہ بند رہا اور اس نواح میں آپ کے مریدوں کی تعداد لکھوک سے گذر گئی"۔ (آثار الصنادید)

وہ کلکتہ ساڑھے تین یا پونے چار مہینہ ٹھہرے تھے، پرنسپ (Princep) کے بیان کے مطابق کلکتہ کے باشندوں کی بڑی تعداد اس زمانہ میں ان کی پیرو ہو گئی تھی، بقول حسنؔ۔

تیری تائید سے اک خلق ہوئی ہے تائب
تیری تنبیہ سے لاکھوں ہوئے فاسق اطہر

روسی مصنف جو ہر تحریک میں مزدور اور کاریگر طبقوں کی شرکت سے اس کی اہمیت اور دائرہ اثر و نفوذ کا اندازہ کرتے ہیں، اس تحریک کے عوامی رنگ سے متاثر ہیں، E.N.Kamarov کا خیال ہے کہ تحریک نے (Lower Urban Stratum) "نچلے شہری طبقے" کو خاص طور پر متاثر کیا تھا، لکھتا ہے:

"Its main force were the popular masses".

(New Thought, Feb. 1, 1958)

اس نے ایک برطانی افسر کی رپورٹ کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے اعظم گڈھ کے نور بافوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے متاثر ہو کر آمادۂ بغاوت ہو گئے ہیں۔

جن حلقوں سے سید احمد شہیدؒ پر اعتراض کیے گئے ہیں ان کی آنکھیں جذبات کے اس طوفان کا ساحل سے بھی نظارہ نہ کر سکیں جو انہوں نے ہمالیہ کی چوٹیوں سے لے کر خلیج بنگال کے کناروں تک پیدا کر دیا تھا۔

کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی
اے پیر حرم تیری مناجاتِ سحر کیا

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کی ساری مذہبی، سیاسی اور اصلاحی تحریکیں سید احمد شہیدؒ کے گرد جمع ہو گئی تھیں اور اسلامی ہند کا مرکز ثقل ان کی طرف منتقل ہو گیا تھا، خاندان ولی اللّٰہی تو ان کے گرد جمع تھا ہی، ٹیپو سلطان کے خاندان کے وہ افراد جو اپنی حریت پسندانہ سرگرمیوں کے باعث ویلور کی سرکشی کے بعد کلکتہ منتقل کر دیے گئے تھے، حضرت شہیدؒ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہو گئے، دکن میں نواب مبارز الدولہ نے سید احمد شہیدؒ کے نمایندوں سے رابطہ اور تعلق پیدا کیا، بنگال میں فرائضی تحریک نے مجاہدین کے جگہ چھوڑ دی، میر نثار علی عرف تیتو نے حضرت شہیدؒ کے دامن میں پناہ لی۔ انہوں نے ۱۸۳۱ء میں نرکل بریا میں بانسوں کی ایک مضبوط فصیل بنائی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا، تعجب خیز واقعہ ہے کہ بالاکوٹ اور نرکل بریا،

دونوں مقامات پر۔ جن کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہے۔ شہادت کے میدان ایک ہی وقت میں گرم ہوئے اور مجاہدین کے قافلہ سالار حضرت سید احمد شہیدؒ نے بالاکوٹ کے میدان میں جام شہادت پیا، ادھر بنگال میں نرکل بریا کے میدان میں مجاہدین کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے، جو مجاہدین بچ گئے وہ علی پور جیل پہنچا دیے گئے اور بس:

پھر نہ کچھ دیکھا، بجز یک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک تو ہم نے دیکھا تھا کہ پروانہ گیا!

حضرت شہیدؒ کے مکتوبات ان کی تحریک جہاد کے مقاصد، ان کے طریقۂ کار اور ان کے نظام حکومت کے بنیادی اصول سمجھنے میں بے حد معاون ہیں، یہاں چند اہم پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی جاسکتی ہے:

(۱) انہوں نے بار بار اس کی وضاحت کی ہے کہ انہوں نے محض اللہ کی خاطر جہاد کا قدم اٹھایا ہے، حکومت اقتدار، مال و دولت ان کا مقصود و مطلوب نہیں۔ اقبالؔ کا یہ شعر ان کے مقاصد کا بہترین ترجمان ہے۔

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

اس کے معنی یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بنیادی مذہبی افکار کو ایک صالح نظام حکومت کی شکل دینا نہیں چاہتے تھے، اس نظام کے بغیر وہ "توحید" کو ایک زندہ حقیقت کے طور پیش نہیں کر سکتے تھے، انہوں نے کابل، ہرات، بخارا و

غیرہ کے حکمرانوں کو اپنی تحریک کے مقاصد سے واقف کرانے کے لیے خطوط لکھے تھے، جن سے ان کے دینی مقاصد پر روشنی پڑتی ہے، شاہ سلیمان والیٔ چترال کے نام خط میں انہوں نے (الف) حکومت کے نصاریٰ کے ہاتھ میں پہنچ جانے، (ب) غلبہ شرک و کفر اور (ج) شعائر اسلام کے خاتمہ پر اپنے دل کی بے چینی کا اظہار کیا ہے، اور یہی تین مقاصد ان کی تحریک کے تھے۔

(۲) علاقہ بالاکوٹ کا انتخاب کرنے سے پہلے انہوں نے ''ہندوسند و خراسان'' کے سب اہم مقامات کا سفر کیا تھا اور تحریک کا Base of Operatino بنانے کی نظر سے جائزہ لیا تھا، ایک خط میں لکھتے ہیں:

''در بلاد ہندوسند و خراسان دور و سیر نمودیم در تمامی آئین سیاحت کوہ و دشت فقط طالب خیر بودیم، آخر الامر در مثل ایں بلاد دور دست گردیدہ و تمام ایں کوہ و دشت نوردیدہ را اوطان یوسف زئی رسیدیم''۔ (قلمی نسخہ برلش میوزیم، ص:۲۰)

''شوق ہجرت''، ''غیرت ایمانی'' اور ''جوش اقامت جہاد'' کی خاطر وہ علاقۂ بالاکوٹ میں پہنچے تھے اور یہاں پہنچ کر انہوں نے محسوس کیا۔

ایک خلش ہوتی ہے محسوس رگِ جاں کے قریب
آن پہنچے ہیں مگر منزلِ جاناں کے قریب

اس زمین کے لیے مشیت ایزدی نے یہ شرف و افتخار مقدر کیا تھا کہ یہاں عشق الٰہی سے سرشار ایک قافلہ اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کرنے

کے لیے پہنچے گا۔

لیکن بالاکوٹ کو مرکز بنانے کا فیصلہ جذباتی نہیں تھا، یہ حقائق کی روشنی میں مصالح کے پیش نظر تھا جس کا اندازہ مکتوبات سے ہوتا ہے۔

(۳) مجموعۂ مکتوبات میں بعض ''امان نامے'' بھی نقل کیے گئے ہیں، ان سے مقاصد اور وسیع حلقۂ اثر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ایک ''امان نامہ'' سوہبا اور تلسی کے نام اس مضمون کا ہے:

''امان نامہ بنام سوہبا و تلسی و گنگو و سونہا مع پسران بشرط بجا آوری خدمت لشکر''۔ (قلمی نسخہ برٹش میوزیم: ص-۲۶۶)

پھر ایک مسلمان کے لیے ''امان نامہ'' کا مضمون ہے:

''سلام الدین و فقیر محمد عباس از اولاد میاں مصری بشرط اتباع شرع و ادائے زکوٰۃ وغیرہ حقوق اللہ''۔

(قلمی نسخہ: ص-۲۶۶)

ان دو ''امان ناموں'' میں اسلامی نظام حکومت کی پوری جھلک نظر آتی ہے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ انہوں نے ہندوؤں سے تعلقات نہایت خوشگوار رکھے، اسمتھ (W. C. Smith) نے تحریک کے سیاسی پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کا کوئی رخ ہندوؤں کے خلاف نہیں تھا۔

"None of these political activities

however was anti-Hindu".

(Modern Islam in India, P. 192)

''ان کی سیاسی سرگرمیوں میں کوئی بات ہندوؤں کے خلاف نہیں تھی''۔

تحریک کا سکھوں کے خلاف ہونا بھی اب تاریخ سے ثابت نہیں، یہ صحیح ہے کہ جو طاقت بھی راہ میں حائل نظر آئی اس کا مقابلہ کرنا ضروری ہو گیا، لیکن بنیادی طور پر تحریک کا مقصد سکھوں سے نبرد آزمائی نہیں تھی۔ مکتوبات میں جس طرح ''نصاریٰ نکوہیدہ خیال'' کی جگہ ''سکھان نکوہیدہ خصال'' اور ''کفار فرنگ بر ہندستان تسلط یافتہ'' کو ''کفار دراز مویان کہ بر ملک پنجاب تسلط یافتہ'' میں تبدیل کیا گیا ہے وہ تاریخ کی انہائی شرمناک جعل سازی ہے، لیکن اس کا تجربہ کرتے وقت غیر ملکی اقتدار کے ان مظالم پر نظر ہونی ضروری ہے جن سے مجبور ہو کر یہ تحریفیں کی گئی تھیں۔

(۴) مکتوبات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ جنگ و جدال کا دائرہ سے مختصر رکھنا چاہتے تھے، اپنے صلح و امن کے مقاصد کو واضح کرتے ہوئے لالہ رام سیکھ کو جنگ بالاکوٹ سے دو سال قبل (۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء کو) لکھتے ہیں:

''من بندۂ پروردگارم، ہر کس کہ پیغام صلح فرستد از طرف خود جنگ پیش نمی کنم''۔

ظاہر بین نگاہوں کو شاید ۱۸۳۱ء میں تحریک جہاد کا خاتمہ نظر آئے لیکن

حقیقت یہ ہے کہ ـ

جلے، جل کر بجھے بھی چشم صورت بیں میں پروانے

فروزاں کر گئے وہ نام لیکن شمع سوزاں کا !

وقتی طور پر ان کو ناکامی ضرور ہوئی لیکن ان کی تحریک نے سرفروشی کا جو جذبہ پیدا کر دیا تھا وہ ایک عرصہ تک قلب وجگر میں شعلہ کی طرح بھڑکتا رہا اور بقول اقبال ع

زآتش او شعلہ ہا اندو ختیم

سرسیدؒ کا بیان ہے کہ سید احمد شہیدؒ کے چودہ پندرہ سال بعد مجاہدین جہاد کے جذبہ سے سرشار سرحدی علاقوں میں "بہ نیت جہاد" پہنچتے رہے۔

انگریزوں نے مجاہدین کے ساتھ جو ظالمانہ برتاؤ کیا اور ان کی بیخ وبن اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی، وہ تاریخ بھلا نہیں سکتی، ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے جن علماء ومجاہدین کو خاص طور پر ظلم وستم کا نشانہ بنایا، ان میں خاصی تعداد مجاہدین کے گھرانوں کی تھی ۱۸۶۴ء کے ابنالہ بغاوت مقدمہ ۱۸۶۵ء کے پہلے مقدمہ بغاوت پٹنہ، ۱۸۷۰ء کے مالدہ بغاوت کیس اور راج محل بغاوت مقدمہ اور ۱۸۷۱ء کے دوسرے پٹنہ بغاوت کیس میں مجاہدین کے خاندان جس طرح برطانوی مظالم کا شکار بنے ان کی داستان دردناک ہے۔"الدر المنثور" میں مولانا عبدالرحیم نے اپنے چچا مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور دیگر مجاہدین کے حالات لکھے ہیں۔ ۱۸۶۵ء میں عید کے دن ان کے مکانوں کو جس طرح

مسمار کیا گیا، اس کا حال مولانا عبدالحمید نے ایک مثنوی میں لکھا ہے ۔

چوں شب عید را سحر کروند
ہمہ را از ماکن بدر کروند!
ضبط و تاراج جملہ مال و متاع
اشتر و فیل و گاہ و اشترو اسپ
باغ را و منازل دل چسپ
آن بنا ہائے شامخ و محکم
کہ بہ گیتی بود عدیلش کم!
اندراں خانہ طالباں چوں بخوم
روز و شب مشتغل بہ درس علوم
جملہ دیوار و سقف و خانہ و در
بیل زن کردہ منہدم یکسر

ہندوستان میں جنگ آزادی کی تاریخ سید احمد شہیدؒ سے شروع ہوتی ہے، انہوں نے اپنے خون سے آزادی کے جس پودے کی آبیاری کی تھی، وہ ایک ایسے وقت میں برگ و بار لایا جب کوتاہ بین نظریں ان گذرگاہوں کو بھول چکی تھیں، جہاں سے حریت اور آزادی کے ان علم برداروں کا قافلہ گذرا تھا۔

اس ضمن میں ایک اور حقیقت بھی پیش نظر رہنے چاہیے اور وہ یہ ہے کہ جنگ آزادی سید احمد شہیدؒ کی عظیم الشان تحریک کا صرف ایک پہلو ہے، بعض

اوقات ہم کسی ایک پہلو پر اس طرح سے نظریں مرکوز کر دیتے ہیں کہ تحریک کی مجموعی حیثیت اور اس کے مقصد و منہاج کے متعلق محدود تصورات نشو و نما پا جاتے ہیں، سید احمد شہیدؒ جس مقصد کے لیے میدان عمل میں داخل ہوئے تھے وہ عقیدۂ توحید کو مسلمانوں کی حیات اجتماعی میں ایک زندہ حقیقت کی حیثیت سے بیدار کرنا تھا، وہ یہ احساس پیدا کرنا چاہتے تھے کہ ۔

ہے زندہ وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خداداد

عقیدۂ توحید سے جو نظام وجود میں آتا ہے اس میں انسانیت کے لیے فوز و فلاح کا پیغام ہے۔ ''تقویۃ الایمان'' میں توحید کو زندگی کے ہر شعبہ میں ایک زندہ حقیقت کی حیثیت سے دیکھنے اور بدعات سے اس تصور کو پاک کرنے کی کوشش براہ راست دل پر اثر کرتی ہے اور احساس شدید ہو جاتا ہے کہ ۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلۂ علم کلام

سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد کو اسلام کی تاریخ کے وسیع چوکٹے میں سمجھنے اور پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

تعجب ہے کہ اس تحریک کے فکری اثرات کا جائزہ پورے طور نہیں لیا

گیا، بعض معاصرین نے جو سید احمد شہیدؒ کے خلوص، جذبہ اور جد و جہد سے بے حد متاثر تھے سیاسی حالات کے پیش نظر بعض پہلوؤں کو دبا کر پیش کیا، سر سید نے انگریز کے انتقامی جذبہ سے بچانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ بعض حلقوں میں ان کی تحریک جہاد کو تو نظر انداز کر دیا گیا، ان کی خانقاہی نظام کی تنفید کی نشانہ ہدف بنا لیا گیا، ضرورت ہے کہ تحریک کے اثرات کا جائزہ وسیع پس منظر میں لیا جائے۔

سر سید، ان کے معاصر تھے، جب آثار الصنادید لکھنے بیٹھے تو ۱۴-۱۵ر سال سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کی شہادت کو ہو چکے تھے، لیکن جب ان کا حال لکھا تو ان کا قلم وجد کرنے لگا، ان کے حرف حرف سے عقیدت اور محبت کا جذبہ ٹپکتا تھا، سر سید کو تقلید سے آزادی ان ہی کی تحریک میں ملی تھی، وہ اپنے آپ کو مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے پیرو بتاتے تھے اور ''تقویۃ الایمان'' کے متعلق کہتے تھے کہ یہ ''محبت الٰہی'' میں لکھی گئی ہے (خطوط: ص-۳۷) انہوں نے ایک رسالہ ''راہ سنت ورد بدعت'' لکھا تھا جس میں یہ اثرات صاف نظر آتے ہیں۔ حالی نے ''حیات جاوید'' میں لکھا ہے:

''مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تصانیف نے ان کے خیالات کی اور زیادہ اصلاح کی''۔ (حیات جاوید: ص-۳۰۴)

اس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کی سماجی اور مذہبی اصلاح کی تاریخ مولانا سید احمد شہیدؒ سے شروع ہوتی ہے، بعد کو سر سید نے ان کی تقلید میں قدم

آگے بڑھایا لیکن ان کے حالات اور مسائل اور تھے، اس لیے ان کی تحریک دوسرا رخ اختیار کر گئی۔

پھر حالی بھی سید احمد شہیدؒ اور خاندان ولی اللہی کی مذہبی سرگرمیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، انہوں نے ایک زمانہ میں نواب صدیق حسن خاں کی تائید میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ ایک بار غالب کو نماز کی پابندی نہ کرنے پر مذہبی اور احتسابی انداز میں متوجہ کیا تھا، ان کی ''بیوہ کی مناجات'' سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تحریک نکاح بیوگان کی صدائے بازگشت ہے، وہ سوشل ریفارم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلمانوں میں ظاہراً دو شخصیتوں کے سوا کہ دونوں دلی کی خاک سے اٹھے، کسی نے سوشل رفارم پر ہاتھ نہیں ڈالا - ایک مولانا اسماعیل، دوسرے سید احمد خاں''۔

(حیات جاوید: ص-۶۴۱)

سرسید، مولانا اسماعیلؒ کی حق گوئی کے قائل تھے اور یہ ایک ایسا وصف تھا جس کی اپنے عہد کے علماء میں کمی پاتے تھے، ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میں بڈھا ہوں اور اپنی عمر میں ہر فرقہ کے بہت بڑے بڑے شخصوں کو دیکھا ہے، اسی چیز نے اور اسی خیال نے کلمۃ الحق کے کہنے سے ان کو باز رکھا، مولانا اسماعیل شہیدؒ اگر اسی قسم کے

خیالات میں مبتلا رہتے تو ہندوستان میں شرک و بدعت کی تاریکی کیسے دور ہوتی"۔ (خطوط: ص-۱۶۹)

بعد کے دور میں مولانا ابوالکلام آزاد، سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد کے زبردست معترف تھے، انہوں نے مولانا عبدالرحیم کی "الدر المنثور" پر اپنی نوجوانی میں مقدمہ لکھا تھا، ان کے استاذ مولانا محمد یوسف رنجور کے باپ مولانا محمد یحیٰ علی تحریک مجاہدین کے زبردست مبلغ تھے۔ ان کی ساری جائداد ضبط کر لی گئی اور ان کو انڈمان بھیج دیا گیا، وہاں سے انہوں نے اپنی اہلیہ کو خط لکھا کہ 'خدا کا شکر ہے کہ تم کو اس آزمائش کے لیے منتخب کیا گیا"۔ یہ جذبہ جانسپاری، سید احمد شہیدؒ کی سرگرمی میں ہر مجاہد کے دل کو گرمائے ہوئے تھا، مولانا آزاد کے دو رفیق۔ اجمل خاں اور ہمایوں کبیر۔ مجاہدین کے خاندان سے تھے، مولانا آزاد نے "تذکرہ" میں جس طرح سید احمد شہیدؒ کی تحریک کو اسلام کی تاریخ عزیمت میں جگہ دی ہے، وہ ان کی فکر کے بنیادی خطوط کو روشن کرتی ہے، ایک ایک لفظ سے عقیدت کا جذبہ اور اتباع کا جوش ٹپکتا ہے، وہ حال اپنا رکھ رہے تھے، لیکن سید احمد شہیدؒ نے ان کی شخصیت پر جو اثر ڈالا تھا، اس کے پیش نظر وہ ان کو بھلا نہ سکتے تھے، ایک بار خاکسار سے گفتگو میں فرمانے لگے، میرے والد کی ولادت ۱۸۳۶ء میں ہوئی تھی، اسی سال جب جنگ بالاکوٹ لڑی گئی تھی، اتنا جملہ کہہ کر انہوں نے چند لمحوں کے لیے آنکھیں

بند کرلیں اور میں نے ایسا محسوس کیا کہ وہ ماضی کے گریز پا نظاروں کو اپنے تصور میں مقید کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب آنکھیں کھولیں ان میں ایک خاص چمک تھی، ان کے باپ اگر جنگ بالاکوٹ کے سال میں پیدا ہوئے تھے تو انہوں نے اپنی زندگی اس مسلک اور ان مجاہدانہ سرگرمیوں کی تائید میں صرف کردی جو سید احمد شہیدؒ کی جہد و سعی کا مرکز و محور تھا، ضرورت ہے کہ مذہبی، ادبی، سماجی، سیاسی سب میدانوں میں سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے عمل اور ردعمل کا تجزیہ کیا جائے، سرسید، حالی، آزاد اپنے اپنے مخصوص میدانوں میں ممتاز تھے، لیکن تینوں سید احمد شہیدؒ کی تحریک سے متاثر تھے، ہنٹر (Hunter) کے بیانات کتنے ہی متعصبانہ ہوں، لیکن ان سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سید احمد شہیدؒ کے اثرات کا دائرہ کتنا وسیع تھا اور حکومت ان سے کتنی خائف تھی، جب ۱۸۹۴ء میں واقعۂ بالاکوٹ کے ۶۳ رسال بعد حکیم سید عبدالحی صاحبؒ نے شمالی ہندوستان کے بعض اہم مقامات کا دورہ کیا تو ان کو سید احمد شہیدؒ کے خاندان کے چشم و چراغ کی حیثیت سے سر اور آنکھوں پر بٹھایا گیا۔ مولانا ذوالفقار علی نے ان کو بتایا تھا کہ سید احمد شہیدؒ جن جن قصبات میں تشریف لے گئے وہاں اب تک خیر و برکت کا ماحول ہے "گویا ایک نور مستطیل ہے کہ جدھر گئے ادھر وہ پھیل گیا"۔ (دہلی اور اس کے اطراف - از مولانا حکیم سید عبدالحیؒ - ص: ۱۱۴-۱۱۵)

سید احمد شہیدؒ کے معاندین نے ان کی بابت جو کچھ لکھا ہے وہ تعصب اور تنگ دلی پر مبنی ہے، مستشرقین اگر ایک طرف سیاسی مصلحتوں سے مجبور تھے تو دوسری طرف ان کی محرومی یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی دینی، ملی اور فکری تحریکوں کے خاموش اشاروں کو سمجھنے سے معذور تھے۔ وہ رائے بریلی کو ایک غیر معروف قصبہ اور سید احمد شہیدؒ کو ایک غیر معروف خاندان کا فرد، اور بعض قزاقوں کے قبیلے سے متعلق سمجھتے رہے، حالانکہ رائے بریلی میں اس وقت اسلامی ہند کا دل دھڑکتا تھا اور سید احمد شہیدؒ سادات حسنی کے چشم و چراغ تھے، دہلی سے حکمت علی ولی اللّٰہی کا چشمہ رائے بریلی پہنچ چکا تھا اور ایک دوسرے سفر کی تیاری میں مصروف تھا۔ لیکن ان کی نگاہیں ان حقائق کا جائزہ نہ لے سکیں۔ ہوجیس (Huges)، ہارڈی (Hardy)، او کیرو (O Caroe) وغیرہ کے بیانات تعصب اور جہالت پر مبنی ہیں، لیکن وہ اگر سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک کے حقیقی خدوخال کو نہ دیکھ سکے تو ''چشمہ آفتاب راچہ گناہ''۔

بعض مسلمان مصنفین نے جس طرح سید احمد شہیدؒ کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ان پر بے بنیاد اعتراضات عاید کیے ہیں، ان کا جواب مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہٗ نے ''تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ'' میں جس بصیرت افروز انداز میں دیا ہے، اس پر اضافہ ممکن نہیں۔

سید احمد شہیدؒ کا عقیدہ تھا کہ۔

ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست
کہ آب از خون شبیرے ندارد!

چنانچہ انہوں نے صدا بلند کی:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری!

اللہ نے ان کو رسم شبیری پورا کرنے کی سعادت بخشی، جنہیں یہ سعادت میسر نہ آسکی انہوں نے اپنی گردنیں عظمت گذشتہ کے ریگ زار میں چھپالیں اور وقت کی یہ پکار ان کے کانوں تک نہ پہنچ سکی۔

یہ حکمت ملکوتی، یہ علم لاہوتی!!
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

جنہوں نے آنکھیں کھلی رکھیں وہ بھی اس علمبردار توحید کے مقاصد کو نہ سمجھ سکے، کیونکہ وہ بدعات واحداث کی دنیا میں گم تھے۔ بقول اقبالؔ۔

بیاں میں نکتۂ توحید آتو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے!

جو خود صنم خانہ بن چکے تھے، ان تک یہ صدا کیسے پہنچ سکتی تھی، انہوں نے

نہ رسم و رہ خانقاہی کا ناقدانہ جائزہ لیا، نہ ان کی نوائے سحری کا مقصود سمجھا، سید احمد شہیدؒ تصوف کو "احسان" کی روشنی میں دیکھتے تھے، ان کو اس کا مخالف بنا کر پیش کرنا حقائق سے چشم پوشی ہے۔ "صراط مستقیم" کے آخری ابواب میں تصوف کی گمراہیوں کی اصلاح ہے اور "احسان" کو رہبر بنایا گیا ہے، "راہ نبوت" کا انہوں نے جس طرح تجزیہ کیا ہے وہ ان کی فکر کی بنیادی حقیقتوں کو واضح کرتا ہے، اس سلسلہ میں "عبقات" کا عبقہ ۲۴ جس میں "خوش اعتقادوں کی توحید" پر گفتگو کی ہے، لائق مطالعہ ہے۔

بعض معترضین نے سرحدی علاقے کو تحریک کا مرکز بنانے پر اعتراض کیا ہے، ان کو سر ہملٹن گب کا وہ جواب پیش نظر رکھنا چاہیے جو اس نے محمد بن عبدالوہاب کے سلسلہ میں دیا ہے:

".....He had selected as the nucleaus of his movement a region which was out of the reach of an organized political authority, where there was therefore, an open field for the propagation of his teachings and where, if he were successful, he might be able to build up a strong theocratic

organization by the aid of warlike tribesmen".

(Modern Trends in Islam, P. 26)

"..... انہوں نے اپنی تحریک کے مرکز کے لیے ایک ایسے خطہ کا انتخاب کیا جو کسی مضبوط سیاسی قوت کی دسترس سے باہر ہو اور جہاں وہ اپنی تعلیمات کو پھیلا سکیں اور کامیابی کی صورت میں ایک مضبوط مذہبی تنظیم جنگجو قبائلیوں کی مدد سے قائم کر سکیں"۔

بعض مصنفین نے تحریک مجاہدین کو محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا چربہ اور اس سے کلی طور پر متاثر بتایا ہے، یہ خیال بھی اصلاح طلب ہے، سید احمد شہیدؒ حجاز قیام کے زمانہ میں نجدی تحریک سے واقف ضرور ہوئے اور تنظیمی اعتبار سے ممکن ہے بعض چیزیں قبول بھی کی ہوں، لیکن تحریک کی سمت اس کا مقصد و منہاج، اس کا طریقۂ کار، اس کی فکری اساس ان کی اپنی تھی، میں نے ایک مضمون میں جو اسلامک کلچر میں شائع ہوا ہے (جولائی ۱۹۷۰ء) اس پہلو پر مختصراً گفتگو کی ہے۔

بعض معاندین نے حق و صداقت کا دامن اس طرح ہاتھ سے چھوڑ دیا کہ حضرت سید احمد شہیدؒ پر خود غرضی اور تنگ نظری کے الزام لگانے لگے، انہوں نے صحیح تصویر پیش کرنے کا دعویٰ کیا اور حقیقت کو مسخ کر دیا، ان سے تو حالی کا صرف یہ شعر کہا جا سکتا ہے۔

انہوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائیں گے ان کو

بعض معاندین نے عمداً ان کے جنگ آزادی کے عزائم کو غلط پیش کیا، گو بالاکوٹ کی فضائیں پکارتی رہیں۔

مرا گلچیں بد آموز چمن خواند
کہ دادم چشم نرگس رانگا ہے

حقیقت یہ ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں سید احمد شہیدؒ کے کارنامے کبھی فراموش نہیں کیے جاسکتے۔

بنا کر دند کوش رسے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را